علمائے جماعت اور طلبائے دینیات سے خطاب

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

علمائے جماعت اور طلبائے دینیات سے خطاب

(فرمودہ ۸مئی ۱۹۵۰ء احاطہ جامعۃ المبشرین ربوہ)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''ہمارے ہاں ایسے مواقع پر عموماً تین تقریروں کا رواج ہے۔ایک تقریر داعی جماعتوں یا داعی جماعت کی طرف سے ہوتی ہے۔دوسری تقریر آنے والے صاحب کی طرف سے ہوتی ہے اور تیسری تقریر سے متعلق مجھ سے امید کی جاتی ہے کہ میں آخر میں اپنے خیالات کا اظہار کروں لیکن آج چونکہ میں ہی داعی ہوں اور پہلے اور پیچھے کی تقریریں کچھ بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہیں اور پھر مدعووین اِتنے ہیں کہ ایک ہی قسم کے خیالات کے تکرار سے بدمزگی پیدا ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے اِس لئے اس عام طریق کے خلاف میں نے یہی پسند کیا کہ صرف میں ہی اپنے خیالات کو ظاہر کردوں۔

جہاں تک دعوت کرنے والوں کا یہ طریق ہے کہ وہ آنے والے کو خوش آمدید کہتے ہیں یا جہاں تک آنے والوں کا یہ طریق ہے کہ وہ دعوت کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں یہ محض ایک رسمی بات ہے۔یہ صاف بات ہے کہ دعوت کرنے والا تبھی دعوت کرے گا جب وہ خوش ہوگا اگر وہ خوش نہیں ہوگا تو دعوت کیوں کرے گا۔پھر یہ بھی صاف بات ہے کہ جب کوئی شخص دعوت کرے گا تو کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھے گا اور دوسرا شخص بہرحال ممنون ہوگا۔یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص دعوت کرے اور دوسرا شکریہ بھی ادا نہ کرے۔پس یہ طبعی تقاضے ہیں جن کو قدرتی طور پر انسان ہمیشہ ظاہر کرتا رہتا ہے لیکن ہم جب اِس قسم کی تقاریب میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں تو ہماری کچھ اَور غرض ہوتی ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جب آنے

والوں کا اعزاز کیا جاتا ہے تو دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک اچھا کام ہے جس میں ہمیں بھی حصہ لینا چاہئے ۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ فلاں مبلّغ جا رہا ہے یا آ رہا ہے اور اُس کے لئے نعرے لگ رہے ہیں مرحبا اور تحسین کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تو نوجوان طبیعتیں جو اِن باتوں سے بڑی جلدی متأثر ہوتی ہیں فوراً یہ خیال کرنے لگ جاتیں ہیں کہ اوہو! ہم تو محروم ہی رہ گئے ۔ اگر ہم جاتے تو ہمارے لئے بھی نعرے لگتے اور ہمیں بھی مَرْحَبًا اور جَـزَاکَ اللّٰه کہا جاتا ۔ ان کا دماغ ابھی اتنا پختہ نہیں ہوتا کہ وہ اس فعل کے روحانی نتائج پر نظر ڈال سکیں لیکن نعروں اور مرحبا اور تحسین کی آوازوں کا ان پر گہرا اثر ہوتا ہے اور یہ نعرے انہیں دینی خدمت کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل کرتے چلے جاتے ہیں ۔ پس اِن دعوتوں سے ایک تو ہماری یہ غرض ہوتی ہے کہ نوجوانوں کے دلوں میں تحریک پیدا ہو اور وہ بھی اپنے آپ کو خدمت دین کیلئے پیش کریں ۔ تم اسے نفسانیت کہہ لو مگر چونکہ اِس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ خدا اور خدا کے دین کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے یہ کوئی بُری چیز نہیں ۔

درحقیقت ہمارا یہ طریق ایسا ہی ہوتا ہے جیسے شکاری مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی ڈالتا ہے تو اس کے ساتھ آٹا بھی لگا دیتا ہے تا کہ مچھلی آئے اور پھنس جائے اس طرح یہ بھی نوجوانوں کو پھانسنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے مگر چونکہ وہ دین کیلئے پھانسے جاتے ہیں، خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پھانسے جاتے ہیں اس لئے خواہ ننگے الفاظ میں اسے مچھلی کے شکار سے مشابہت دے لو بہرحال یہ شکار مبارک ہے کیونکہ یہ شکار اپنے لئے نہیں کیا جاتا اپنے عزیزوں کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ خدا اور اُس کے رسول کے لئے کیا جاتا ہے ۔ دوسرا فائدہ اُس سے یہ ہوتا ہے کہ ہمیں آنے والوں اور جانے والوں کے لئے بعض خیالات جو مستقل حیثیت رکھتے ہیں ان کے اظہار کا موقع مل جاتا ہے ۔ انسانی دماغ کو خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ اسے نیا مضمون نکالنے کے لئے کسی نئے محرک کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ایک بامذاق انسان جو ہنسی اور مزاح کی طرف اپنا میلان رکھتا ہے وہ بھی ہر وقت ہنسی اور مزاح کی باتیں نہیں کرتا بلکہ ان باتوں کے لئے اسے بھی کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ایک شاعر جو شعر کہنے کا عادی ہے وہ بھی ہر وقت شعر نہیں کہہ سکتا بلکہ اسے بھی کسی محرّک کی ضرورت ہوتی ہے ۔ برسات کا موسم ہوتا ہے، آسمان

پر بادل آئے ہوئے ہوتے ہیں، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی ہے تو اُس کے جسم میں حرکت اور خون میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کی طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یا چمن میں گئے اور فوارے چلتے دیکھے تو طبیعت جس ڈگر پر چل رہی تھی اس سے بدل گئی اور شعر کی طرف مائل ہوگئی۔ یا چاندنی رات ہے، میدان میں سیر کے لئے نکلے تو چاند کی چاندنی سے متأثر ہوئے اور شعر کہنے لگ گئے۔ یا صبح کے وقت ٹھنڈی ہوا سے آنکھ کھل گئی دیکھا تو نیند پوری ہو چکی تھی اور طبیعت میں شگفتگی تھی اُس وقت صبح کی ٹھنڈی ہوا نے تحریک پیدا کر دی اور شعر گوئی کی طرف طبیعت کا میلان ہو گیا۔تو کوئی نہ کوئی ذریعہ ہوتا ہے انسان اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اگر وہ ذرائع اچھے ہوں اور طبیعت بھی اچھی ہو تو اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور اگر ذرائع اچھے نہ ہوں یا طبیعت اچھی نہ ہو تو خوشگوار نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔

شاہ عالم بادشاہ سوداؔ سے اپنے شعر درست کروایا کرتے تھے ایک دفعہ بادشاہ نے اپنی ایک غزل سوداؔ کو اصلاح کے لئے دی مگر ایک ہفتہ گزر گیا اور اُنہوں نے نظم واپس نہ کی۔ بادشاہ نے پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ طبیعت حاضر نہیں۔ اِس پر پھر ایک ہفتہ گزر گیا۔ اگلے ہفتہ اُنہوں نے دوبارہ دریافت کروایا تو سوداؔ نے پھر یہی جواب دیا کہ طبیعت حاضر نہیں مجبوراً بادشاہ نے ایک اور ہفتہ انتظار کیا اور خیال کیا کہ شاید اب غزل واپس آ جائے گی۔مگر پھر بھی نظم واپس نہ آئی اور جب بادشاہ نے پوچھا تو انہوں نے پھر یہی جواب دیا کہ طبیعت حاضر نہیں۔ اِس پر بادشاہ کو غصہ آیا اور اُس نے کہا کہ آپ کی طبیعت بھی عجیب ہے کہ حاضر ہونے میں ہی نہیں آتی ہم تو پاخانہ بیٹھے بیٹھے دو غزلیں کہہ دیا کرتے ہیں۔سوداؔ تیز طبیعت انسان تھے اُنہوں نے کہا حضور! ان میں سے بُو بھی تو ویسی ہی آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے بادشاہ کو قبض کی بیماری ہو گی اور چونکہ ایسا انسان بیٹھے بیٹھے مختلف خیالات میں مبتلا رہتا ہے اسی قسم کے خیالات اسے بھی سوجھتے ہوں گے اور وہ وقت گزارنے کے لئے غزل کہنے لگ جاتا ہو گا مگر یہ ظاہر بات ہے کہ جب محرک بُرا ہو گا تو نتیجہ بھی بُرا ہو گا۔ وہ شخص جس کو شعر کہنے کی تحریک فوارے کرتے ہیں یا چاندنی راتیں کرتی ہیں یا برسات کا موسم کرتا ہے یا باغ کا نظارہ کرتا ہے اور وہ شخص جسے شعر کہنے کی تحریک قبض کرتی ہے ان دونوں کے شعر کبھی برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک کا محرک اَور ہے اور دوسرے کا محرک اَور

ہے۔ پس سوؔدا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر پھر ڈر کر بادشاہ کی ملازمت چھوڑ کر چلے گئے۔ تو خیالات کے اظہار کے بھی بعض مواقع ہوتے ہیں اور ان کے خیالات کے اظہار کے لئے بعض محرکات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِس وقت بیسیوں مبلّغ بیرونی ممالک میں کام کر رہے ہیں اور ان سے بعض دفعہ اپنے کاموں میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ رپورٹیں آتی ہیں ہم انہیں پڑھتے ہیں تو ہم ان پر ایک آدھ نوٹ دے دیتے ہیں اور بات ختم ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ میں اس وقت تقریر شروع کر دوں۔ پھر چند دنوں کے بعد ان کی طرف سے دوسری رپوٹ آتی ہے اور ہمیں کوئی اور غلطی نظر آتی ہے جس کی طرف انہیں اختصار کے ساتھ توجہ دلائی جاتی ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے لیکن ایسے مواقع پر جب مبلغین سامنے موجود ہوں اور محرک نظر آ رہا ہو تو ہمیں بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا ہے اور کئی مضامین کسی محرک کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک بیان نہیں ہوئے ہوتے اس طرح بیان ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

پس ایک طرف نوجوانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلانا اور انہیں تحریک کرنا کہ وہ وہی طریق اختیار کریں جس پر ان کے پہلے بھائی چل چکے ہیں اور دوسری طرف آنے والوں کو توجہ دلانا کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں اور اپنے کاموں میں مزید تقویت پیدا کریں، اپنے اندر جرأت اور بہادری کا مادہ پیدا کریں اور غور اور فکر سے کام لینے کی عادت ڈالیں۔ یہ مقاصد ہیں جن کے ماتحت اِس قسم کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ ادھر جو کارکن ان سے کام لے رہے ہیں ان کے فرائض کی طرف بھی اس موقع پر انہیں توجہ دلا دی جاتی ہے اور اس طرح کام لینے والوں اور کام کرنے والوں دونوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے وہ اتنی نوعیّتوں کا حامل ہے اور اتنا پھیلاؤ اپنے اندر رکھتا ہے کہ جب تک ہمارا دماغ اِس کام کا ہر وقت جائزہ نہ لیتا رہے، نہ وہ پوری طرح ہمارے ذہنوں میں آ سکتا ہے اور نہ ہم اس کے لئے تیاری کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری جماعت کی بنیاد ایک مأمور کے ہاتھ سے رکھی گئی ہے ہماری جماعت کوئی سوسائٹی نہیں جسے عام سوسائٹیوں کے طریق پر چلایا جائے۔ یہ ایک مذہب ہے اور مذہب بھی ایسا جس

کا لوگوں کو سمجھانا بڑا مشکل ہے۔ مذہب کا کسی دوسرے کو سمجھانا یوں بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے مگر دوسرے مذاہب میں اور اسلام اور احمدیت میں ایک فرق ہے جس کی وجہ سے ہماری مشکلات ان سے بہت زیادہ ہیں۔ دنیا میں جب پہلا نبی آیا تو اُس کا کام بڑا مشکل تھا کیونکہ لوگوں کے سامنے نبوت کی پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ الہام کیا ہوتا ہے، نبوت کیا ہوتی ہے، خدا تعالیٰ سے تعلق کے کیا معنی ہوتے ہیں، لوگوں کا اس پر ایمان لانا کیوں ضروری ہوتا ہے مگر جب اُس کی اُمت قائم ہوگئی تو اگلے نبی کا کام نسبتاً آسان ہوگیا۔ پھر تیسرا نبی آیا تو اس کا کام اَور بھی آسان ہوگیا کیونکہ لوگ جانتے تھے کہ الہام کیا ہوتا ہے، کتاب کیا ہوتی ہے، نبوت کیا ہوتی ہے صرف ان کی طرف سے یہ سوال اُٹھنے لگتا ہے کہ ہمارے ملک میں کسی نبوت کی کیا ضرورت ہے یا ہم میں ایسے کونسے نقائص ہیں جن کی وجہ سے تم ہماری اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔ اِس طرح سوالات محدود ہوتے چلے جاتے ہیں اور مشکلات کم ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے خلاف ہمارے زمانہ میں یہ ایک نئی مشکل پیدا ہوگئی ہے کہ پہلے نبی جو آتے رہے وہ تو یہ کہتے تھے کہ پہلی شریعت منسوخ ہوگئی ہے یا ہم نے براہِ راست نبوت حاصل کی ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت نہیں لائے، نہ ہی آپ نے براہِ راست نبوت کا مقام حاصل کیا ہے بلکہ قرآن کریم اور اسلام کے احکام ہمیشہ کے لئے واجب العمل رہیں گے مگر اس کے باوجود لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ یہ چیز ایسی ہے جس کا سمجھنا ان کے لئے بڑا مشکل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا میں مبعوث ہوکر یہ نہیں فرمایا کہ میں قرآن کریم کو بدلنے آیا ہوں، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بدلنے آیا ہوں بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں تمہیں بدلنے کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو سن کر کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جب مرزا صاحب کوئی نئی چیز نہیں لائے تو ہم انہیں مانے کیوں؟ میں نے دیکھا ہے کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا مرزا صاحب کا کوئی نیا کلمہ ہے؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کیا آپ نئی شریعت لائے ہیں؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ وہ کہتے

ہیں کیا آپ اسلام میں کوئی تبدیلی کرنے کے لئے آئے ہیں؟ میں کہتا ہوں نہیں۔ اِس پر وہ عجیب قسم کی مسکراہٹ ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ پھر ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں۔ یہ ایک ایسی مشکل ہے جس کا مقابلہ کرنا ہماری جماعت کا فرض ہے۔ پس پہلے لوگوں کی مشکلات اَور رنگ کی تھیں اور ہماری مشکلات اور رنگ کی ہیں، اُن کے سامنے اَور سوالات تھے اور ہمارے سامنے اَور سوالات ہیں۔

پھر بڑی دِقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایسی قومیں غالب ہیں جن کی اسلام کے ساتھ ایسی شدید دشمنی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم یہود کو اسلام کا شدید ترین دشمن پاؤ گے لیکن اِس زمانہ میں اسلام کا شدید ترین دشمن عیسائی ہے۔ اگر یہودی دشمنی کرتا ہے تو وہ بھی عیسائی کی مدد سے ہی کرتا ہے۔ جب امریکہ کی مدد اس کے پیچھے ہوتی ہے جب فرانس اور دوسرے ممالک کی توپیں عرب ممالک کا رُخ کر لیتی ہیں تو عرب جانتا ہے کہ اب سوائے مونچھیں نیچی کر لینے کے میرے لئے اَور کوئی چارہ نہیں۔ غرض ہمارے لئے قدم قدم پر مشکلات ہیں اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہماری کامیابی کے راستہ میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہے وہ یہ ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کوئی نئی چیز نہیں لائے۔ آپ اسلام کو ہی دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہماری طرف سے کوئی نئی چیز پیش کی جاتی تب بھی لوگ مخالفت کرتے کیونکہ لوگوں کی مخالفت کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہئے جو اُنہیں مل جاتا ہے۔

ہمارے ملک میں قصہ مشہور ہے ایک مالدار شخص تھا اُس کی یہ عادت تھی کہ اِدھر شادی کرتا اور اُدھر چند دنوں کے بعد ہی کوئی بہانہ بنا کر عورت کو طلاق دے دیتا اور اُس کے زیورات اور کپڑے وغیرہ خود رکھ لیتا۔ بہانے بنانے تو کوئی مشکل ہی نہیں ہوتے کسی کو کسی بہانہ پر اور کسی کو کسی وجہ سے طلاق دے دیتا۔ اس طرح اس نے یکے بعد دیگرے کئی عورتوں کو طلاق دی۔ آخر ایک ہوشیار لڑکی کی اُس سے شادی ہوگئی۔ اُس نے کوشش کی کہ کوئی بہانہ ملے تو اسے طلاق دے دوں مگر وہ کوئی موقع پیدا نہ ہونے دیتی۔ خود ہی کھانا پکاتی، خود ہی کپڑے وغیرہ دھوتی اور خود ہی گھر کے تمام کام کرتی۔ جب کئی دن گزر گئے اور طلاق دینے کا اُسے بہانہ نہ مل سکا تو تنگ

آ کر ایک دن وہ باورچی خانہ چلا گیا۔ اس کی بیوی روٹیاں پکا رہی تھی اس نے جوتی اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور کہنے لگا کمبخت! تو روٹی تو ہاتھ سے پکاتی ہے تیری کہنیاں کیوں ہلتی ہیں اور اسے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ لڑکی کہنے لگی میں آپ کی لونڈی ہوں آپ جتنا چاہیں مجھے ماریں مگر اِس وقت آپ اپنی طبیعت کو کیوں خراب کرتے ہیں کھانے کا وقت قریب ہے آپ پہلے کھانا کھالیں اور جتنا چاہیں مجھے مارلیں۔ میں آخر یہیں ہوں کہیں چلی تو نہیں جاؤں گی۔ اس نے بھی سمجھا بات درست ہے۔ چنانچہ اُس نے بیوی کو چھوڑ دیا۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھا تو ابھی اس نے ایک دو لقمے ہی منہ میں ڈالے تھے کہ بیوی نے اُس بڈھے کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہنے لگی کمبخت! کھانا تو تو منہ سے کھاتا ہے تیری ڈاڑھی کیوں ہلتی ہے۔ پس مخالفت کا بہانہ بنانا کوئی مشکل چیز نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے تو لوگوں نے اَور بہانہ بنالیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو لوگوں نے اَور بہانہ بنالیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا تلوار چلاؤ تو لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ نبی کیسا ہے یہ تو لڑائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو اُنہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اِس پر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ بھی کوئی تعلیم ہے کیا اس طرح دنیا میں گزارہ ہو سکتا ہے؟ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے فرمایا کہ موقع محل کے مطابق کبھی سختی کرو اور کبھی نرمی۔ اِس پر لوگوں نے کہا یہ تو دونوں مذہبوں سے گیا یہ نہ موسیٰؑ کے راستہ پر ہے اور نہ عیسیٰؑ کے راستہ پر۔ اس کی تعلیم ہم کیوں مانیں؟ غرض لوگ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لینے کے عادی ہوتے ہیں۔

پس اگر ہماری طرف سے کوئی جدید چیز پیش کی جاتی تب بھی لوگوں کی مخالفت ضرور ہوتی مگر آجکل جو اعتراض شدت سے کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ جب حضرت مرزا صاحب کوئی نئی چیز نہیں لائے تو ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے نیا کلمہ بنا لیا ہے یا ان کا نیا قرآن ہے مگر تعلیم یافتہ طبقہ جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں جھوٹی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہم ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے، وہ جانتا ہے کہ ہم مرزا صاحب

کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم سمجھتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ تبلیغ اسلام اِس وقت صرف ہم لوگ ہی کر رہے ہیں، وہ جانتا ہے کہ معترض پاگل ہیں وہ جھوٹ بولتے اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ جب تم قرآن کو ہی پیش کرتے ہو، جب تم حدیثوں کو ہی منواتے ہو، جب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ہی عمل کرتے ہو تو ہم مرزا صاحب پر کیوں ایمان لائیں؟ اور درحقیقت یہی وہ اعتراض ہے جس کو اس زمانہ میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ مخالف لوگ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہوتا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ اس حقیقت کو خوب سمجھتا ہے۔ مخالف اگر ہمارے خلاف شور مچاتے ہیں تو محض اِس لئے کہ اِس مخالفت کے نتیجہ میں اُن کا اعزاز بڑھ جاتا ہے اور لوگ اُن کی تعریفیں کرنے لگ جاتے ہیں ورنہ جس دن احمدیت کو کامیابی حاصل ہوئی تم دیکھو گے کہ اُس دن وہ بھی اِدھر آ جائیں گے۔

میں ابھی بچہ تھا کہ میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ کبڈی کا میچ ہو رہا ہے۔ جس میں ایک طرف احمدی ہیں اور دوسری طرف غیر احمدی۔ غیر احمدیوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی شامل ہیں۔ احمدی جب کبڈی کے لئے جاتے ہیں تو غیر احمدیوں کو ہاتھ لگا کر آ جاتے ہیں اور وہ سب مرتے چلے جاتے ہیں۔ یعنی جس کو ہاتھ لگ جاتا ہے اُسے بٹھا دیا جاتا ہے یہاں تک ہوتے ہوتے صرف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی پیچھے رہ گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب میں ہی اکیلا رہ گیا ہوں اور میرے سارے ساتھی بیٹھ چکے ہیں تو جس طرح بچے بعض دفعہ دیوار کیساتھ منہ لگا کر آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیتے ہیں اِسی طرح انہوں نے بھی قریب کی ایک دیوار کے ساتھ منہ لگا کر اِدھر بڑھنا شروع کیا۔ جب وہ لکیر پر پہنچے تو کہنے لگے اب تو سارے ہی اِدھر آ گئے ہیں لو میں بھی آ جاتا ہوں اور یہ کہہ کر وہ بھی ہماری طرف آ گئے۔ اِس رؤیا میں مخالفین کی حالت کا یہی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ پہلے وہ مخالفت کرتے ہیں مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ سب لوگ مانتے چلے جا رہے ہیں تو وہ بھی آ کر شامل ہو جاتے ہیں۔

بہر حال وہ دِقت جو اِس وقت ہمیں پیش آ رہی ہے پہلے زمانہ میں مسیحیوں کو بھی پیش آئی تھی۔ حضرت مسیحؑ آئے اور اُنہوں نے کہا یہ مت سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کے صحیفوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔[1] اس پر یہودی مفکرین نے یہ

سوال اُٹھایا کہ اگر آپ اُنہی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں جو ہمارے پاس پہلے سے موجود ہیں تو پھر ہم آپ پر کیوں ایمان لائیں؟ جیسے اِس زمانہ میں کہا جاتا ہے کہ جب مرزا صاحب اُنہی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں جو اسلام میں پائی جاتی ہیں تو ہم آپ کو کیوں مانیں؟۔ اگر کہو کہ بعض عقائد میں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی جن کی اصلاح ضروری تھی تو اِس غرض کے لئے ہمارے مولوی کافی تھے مرزا صاحب پر ایمان لانا کہاں سے نکل آیا۔ یہی سوالات مسیحیوں کے سامنے آئے اب بجائے اِس کے کہ وہ اِس لڑائی کو صبر اور استقلال اور دعاؤں سے فتح کرتے کچھ مدت کے بعد کمزور عیسائیوں نے گھبرا کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسیحؑ خدا کا بیٹا تھا وہ دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اُس نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ شریعت لعنت ہے۔ جب اِس طرح ایک نئی چیز لوگوں کے سامنے پیش کی گئی تو لوگوں نے عیسائیت میں داخل ہونا شروع کر دیا۔

یہی خطرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہماری کامیابی میں بھی سب سے بڑی مشکل لوگوں کا یہی سوال ہے کہ حضرت مرزا صاحب کیا لائے؟ اگر تو ہم نے استقلال سے کام لیا تو آہستہ آہستہ ہم اس لڑائی کو اِنْشَاءَ اللّٰہِ فتح کر لیں گے لیکن اگر ہم نے بھی گھبرا کر کوئی غلط قدم اُٹھا لیا تو لوگ بے شک ہمارے اندر داخل ہو جائیں گے مگر ہم ایک نئی عیسائیت کی بنیاد رکھنے والے بن جائیں گے۔ پس یہ بھی ایک بڑی کٹھن منزل ہے جس کو ہم نے صبر اور استقلال اور دعاؤں سے طے کرنا ہے۔ اور یہ مشکل ایسی ہی ہے جیسے سانپ کے منہ میں چھپکلی، اُگل دے تو کوڑھی ہو جائے اور نگلے تو مر جائے۔ اگر ہم ان مشکلات کو قائم رہنے دیتے ہیں تو کامیابی کا حصول مشکل نظر آتا ہے اور اگر ہم اپنا پینترا بدل دیتے ہیں تو آپ بھی بے دین ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بے دین کرتے ہیں۔ پس ہمیں بہت زیادہ غور و فکر اور ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو ایسے رنگ میں قائم کریں کہ نہ اسلام بدلے نہ اس کی تعلیموں میں کوئی تغیر ہو اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور آپ کے درجہ میں کوئی فرق آئے۔ یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے جس کے لئے ہمیں پہلوں سے بہت زیادہ ہوشیار اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔

وہ قومیں جن کو جلد ترقی اور پھر حکومت مل جاتی ہے وہ پھر بھی حکومت کے سہارے ان مشکلات کا ایک حد تک مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن ہماری ترقی بتدریج اور آہستگی کے ساتھ مقدر ہے پس جب ہماری فتح نے دیر سے آنا ہے اور آہستہ آہستہ آنا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی درستی کریں اور انہیں پہلوں سے زیادہ ہوشیار اور پہلوں سے زیادہ کار آمد وجود بنائیں۔ جب فتح جلدی آ جائے تو انسان خیال کر سکتا ہے کہ اگلی نسل کی حکومت کے ماتحت خود بخود نگرانی ہوتی رہے گی لیکن جب فتح آہستہ آہستہ آنے والی ہو اور انسان جانتا ہو کہ میں مر گیا تو میری آئندہ نسل بھی اِسی طرح مخالفین کے نرغہ میں گھری ہوگی جس طرح میں گھرا ہوا ہوں تو اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ آئندہ نسل کی درستی کا خاص طور پر فکر کرے اور چونکہ ہمارے سامنے یہی خطرہ ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کے معیارِ اخلاق اور ان کے معیارِ دین اور ان کے معیارِ تقویٰ کو زیادہ سے زیادہ بلند ترین اور ان کے اندر پہلوں سے زیادہ احساس قربانی پیدا کریں تا کہ اسلام دشمن پر غالب آئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اِس دنیا میں ہمیشہ کیلئے قائم ہو جائے۔

اس وقت ہمارے مشن قریباً ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ امر جہاں ہماری عظمت کا موجب ہے وہاں ایک رنگ میں ہمارے لئے خطرہ کا موجب بھی بن رہا ہے کیونکہ ہمارا مرکز کمزور ہے اور بیرونی ممالک میں جماعتیں ترقی کر رہی ہیں۔ اگر مرکز میں ہماری تعداد زیادہ ہوتی اور ہمارے اندر اتنی طاقت ہوتی کہ ہم بیرونی ممالک کے بوجھ کو برداشت کر سکتے تو یہ ترقی یقیناً ہماری عظمت کا موجب ہوتی۔ مگر اِس وقت حالت یہ ہے کہ مرکز طاقتور نہیں اور ہر جگہ کے لوگ چلا رہے ہیں کہ مرکز ہماری مدد کرے۔ پس بجائے اِس کے کہ یہ وُسعت ہماری طاقت کا موجب ہوتی وہ ہماری کمزوری کا موجب بن رہی ہے۔

ہٹلر نے اپنے ابتدائی زمانہ میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام میری ''جدوجہد'' تھا۔ اس کتاب میں اس نے یہ بحث کی ہے کہ عمارت کی اونچائی کا انحصار اُس کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر بنیاد چوڑی اور مضبوط ہو تو اوپر کے حصہ کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر بنیاد چھوٹی یا کمزور ہوگی تو وہ عمارت ہر وقت خطرہ میں گھری رہے گی اور پھر وہ زیادہ اونچی بھی نہیں جا سکے گی۔ اِس اصول

کے ماتحت اُس نے لکھا کہ جرمن قوم کی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی بیس (BASE) مضبوط ہو پھر وہ جتنا پھیلے گی اُتنی ہی مضبوط ہو گی لیکن اگر بیس (BASE) مضبوط نہیں ہو گی تو اس کا پھیلاؤ اُس کے تنزل کا موجب بن جائے گا۔ یہ ایک دُنیوی مثال ہے مگر الٰہی سلسلے بھی اِس قانون سے مستثنٰی نہیں ہیں۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ بیرونی جماعتوں کو ہم پوری طرح سنبھال نہیں سکتے۔ ہمارے آفس اُن کی پوری طرح نگرانی نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نظم میں فرق آ جاتا ہے اور بعض دفعہ ان کی طرف سے احکام کی پوری فرمانبرداری نہیں ہوتی یا فرمانبرداری تو ہوتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے، اِس طرح بعض دفعہ ترقی کے مواقع نکلتے ہیں تو ہم ان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ مثلاً کسی جگہ سَو یا پچاس مبلغوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر ہم بھجوا نہیں سکتے۔ یا مبلّغ تو ہوتا ہے مگر لٹریچر کی اشاعت اور سفروں وغیرہ کے لئے اس کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ مثلاً امریکہ میں ہی اگر ہم دس مبلّغ رکھیں تو چونکہ وہ بہت مہنگا ملک ہے ان کے آنے جانے کے اخراجات، وہاں کی رہائش کے اخراجات اور سفروں اور لٹریچر وغیرہ کے لئے ہی دو لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے مگر ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں۔ اور اگر ہم اتنا روپیہ صرف ایک مشن کو دے دیں تو باقی سب کام بند ہو جائیں گے۔ یا فرض کرو کسی غیر ملک میں ہم دینیات کا سکول نہیں کھول سکتے تو کم از کم ہمارے پاس اتنا روپیہ تو ہونا چاہئے کہ ہم وہاں سے لوگوں کو بُلا کر تعلیم دے سکیں اور اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو لازماً ہماری ترقی میں نقص واقع ہو جائیگا۔

غرض ہمارے مشنوں کی وسعت ہمارے لئے ایک رنگ میں کمزوری کا موجب بن رہی ہے اِس کمزوری کو دور کرنے کا طریق یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں جماعت کو بڑھایا جائے اور تبلیغ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے اور ایسے مبلّغین پیدا کئے جائیں جو موجودہ ضرورتوں کو سمجھنے والے اور نئے زاویوں اور نئے نقطۂ نگاہ سے موجودہ مسائل پر گہری نظر رکھنے والے ہوں۔

اب زمانہ بدل چکا ہے، خیالات تبدیل ہو چکے ہیں، نئی پود نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی عادی ہے، وہ نئے انداز اور نئے پہلوؤں سے مسائل پر غور و فکر کرتی ہے مگر ہمارے بعض علماء

ابھی تک ضَــرَبَ یَضْرِبُ کی گردانوں میں ہی پھنسے ہوئے ہیں اور وہ مسائل جن کو آج دنیا سننے کے لئے بھی تیار نہیں اُنہی کو بار بار پیش کرنے کے عادی ہیں۔ ہمارے علماء اُٹھیں گے اور وفاتِ مسیحؑ کا مسئلہ پیش کر دیں گے حالانکہ اُن کا مخاطب بعض دفعہ ایسا شخص ہے جو مسیحؑ کو نبی بھی نہیں مانتا۔ ہمارا مبلّغ کہتا ہے عیسیٰؑ مر گیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں تو اُسے نبی بھی نہیں مانتا تم مجھے کیا کہہ رہے ہو۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ میں کیا پوچھتا ہوں اور یہ کیا کہتا ہے۔ وہ سوال کرتا ہے کہ تم نے میری مادی ترقی کے لئے کیا کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں ویسا ہی معزز بن جاؤں جیسے ایک امریکن معزز ہے یا ایک فرانسیسی معزز ہے اور یہ میری امنگیں ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے ایک امریکن یا ایک انگریز جیسا معزز اور طاقتور بنانے کیلئے کیا کیا ہے۔ جب تک ہم اُس کے اِس زاویۂ نگاہ کو غلط ثابت نہ کر دیں، جب تک ہم اسکے خیالات کی رَو کو اور طرف نہ پھیر دیں اُس وقت تک ہمارا صرف وفات مسیحؑ اور ختم نبوت کی بحثیں کرنا بالکل فضول ہے۔ لیکن اگر ہمارا عالم ان باتوں کو جانتا ہی نہیں تو وہ ان سوالات کو سن کر زیادہ سے زیادہ یہی کہہ دیگا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کیسے بیہودہ خیالات ہیں مگر اِن خیالات کی اصلاح اور درستی کے لئے وہ کوئی کوشش کر ہی نہیں سکتا کیونکہ اُس نے اِن باتوں پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔

اِسی طرح موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ شور اقتصادی مشکلات کی وجہ سے برپا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی بھوک دُور ہو، اُن کی غربت دُور ہو، اُن کے اقتصادی حالات اچھے ہوں اور وہ بھی دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل ہوں اور چونکہ ان کے کانوں میں بار بار ڈالا جاتا ہے کہ کمیونزم ہی دنیا کی بھوک کا علاج ہے اِس لئے وہ بھی کمیونزم کا شکار ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید یہی ہمارے دُکھوں کا علاج ہو۔ اِس فتنہ کا مقابلہ کرنا اِس وقت ہماری جماعت کا اہم ترین فرض ہے۔ کچھ مسلمانوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی حاصل کر لی ہے کہ کمیونزم عین اسلام ہے اُنہیں اِس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اسلام زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے وہ صرف اپنی جان بچانا چاہتے ہیں اور اپنی جان کے بچاؤ کا طریق اُنہوں نے یہی سوچ رکھا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ کمیونزم اور اسلام دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ گویا ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے ہندوؤں نے پہلے بدھ مذہب کی شدید مخالفت کی مگر آخر میں آکر کہہ دیا کہ بدھ ہمارا

ساتواں اوتار تھا۔ اِسی طرح بعض مسلمانوں نے پہلے تو کچھ کمیونزم کا مقابلہ کیا مگر آخر تنگ آ کر کہہ دیا کہ کمیونزم عین اسلام ہے۔ مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کمیونزم کو بھی اسلام کے خلاف ثابت کریں اور پھر لوگوں کو یہ بھی بتائیں کہ اسلام دُنیا کی بھوک کا کیا علاج کرتا ہے۔

روٹی کا سوال اِس وقت ساری دنیا پر چھایا ہوا ہے اور اس سوال پر تم بھی کئی بار بحثیں کرتے ہو۔ آخر تم کہتے ہو یا نہیں کہ ہمیں کیا گزارہ ملے گا؟ ہمارے بیوی بچوں کو کیا ملے گا؟ ہم باہر گئے تو ہمیں کتنا روپیہ بھجوایا جائے گا اور ہمارے بیوی بچوں کو کتنا دیا جائیگا؟ یہ سوالات اگر تمہارے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں تو اَور لوگ اِن پر کیوں بحث نہ کریں۔ مگر ہمارے علماء کا ایک طبقہ ان باتوں سے غافل ہے۔ وہ ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اِس بات پر غور کرے کہ کمیونزم کے خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے اور کس طرح اسلام پر قائم رہتے ہوئے اِس کو ردّ کیا جا سکتا ہے۔ اور لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کمیونزم ہم میں آ بھی گیا تو کیا ہوا ہم خدا اور اس کے رسول کو مانتے ہوئے کمیونسٹ ہو جائیں گے مذہب اِس میں روک ہی نہیں۔ وہ کبھی خیال ہی نہیں کرتے کہ بعض رَوئیں لازمی طور پر کسی دوسرے خیالات کو ردّ کر دیتی ہیں اور سٹالن کے پیچھے اُسی وقت چل سکتے ہیں جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار کر دیں۔ بے شک وہ کہتے ہیں کہ ہم باخدا کمیونسٹ ہو جائیں گے مگر سوال یہ ہے کہ باخدا کمیونسٹ ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو وہ ہونگے کس طرح؟ یہ تو ویسی ہی احمقانہ بات ہے جیسے ملکہ فرانس کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ شکار سے واپس آ رہی تھی کہ اُس نے دیکھا کہ اُس کے قلعہ کے پاس ہزاروں ہزار لوگ جمع ہیں اور وہ روٹی روٹی کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے ماتحت افسران سے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں اور ''روٹی روٹی'' کیا نعرہ لگا رہے ہیں؟ اُنہوں نے بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کھانے کو کچھ نہیں ملتا، ہمارے ملک میں قحط پڑا ہوا ہے ہمیں روٹی دی جائے تا کہ ہمارا پیٹ بھرے۔ اِس پر وہ بے ساختہ کہنے لگی یہ لوگ بڑے بے وقوف ہیں اگر بھوکے ہیں تو کیک کیوں نہیں کھا لیتے۔ چونکہ اُس کے اپنے گھر میں ہر چیز کی فراوانی تھی وہ یہ سمجھتی تھی کہ اِتنی چیزیں تو ہر شخص کے گھر میں موجود ہونگی۔ یہی احمقانہ حالت بعض مسلمانوں کی ہے۔ وہ کہتے

ہیں با خدا کمیونسٹ ہو جائیں گے۔ وہ احمق اتنا بھی نہیں جانتے کہ بعض افکار میں خدا تعالیٰ کا خیال پنپ سکتا ہے اور بعض میں نہیں پنپ سکتا۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم پتھر پر گندم بونا چاہو تو نہیں بو سکتے۔ پس یہ کہنا کہ ہم متضاد افکار کو جمع کر لیں گے یہ بالکل غلط ہے۔ یہ چیزیں ہیں جو اسلام کی کامیابی کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ روکیں پیدا کر رہی ہیں۔ یورپ کا آدمی اپنے ہتھیار پھینک کر اِس کا مقابلہ کرسکتا ہے، امریکہ اپنی جگہ بدل کر کمیونزم کا مقابلہ کرسکتا ہے، انگلینڈ اپنی جگہ بدل کر کمیونزم کا مقابلہ کرسکتا ہے کیونکہ اُن کی جگہ معین نہیں لیکن ایک مسلمان ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی جگہ معین ہے اور اسلام نے اس کے لئے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ ایک انگریز یا ایک امریکن کمیونزم کے دباؤ کے ماتحت اپنی جگہ سے کتنا بھی ہل جائے میرے لئے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونا جائز نہیں کیونکہ میرے لئے اسلام نے ایک حد مقرر کر دی ہے۔ وہ کہتا ہے تم ایک انچ بھی اِدھر ہوئے تب بھی کافر ہو جاؤ گے اور ایک انچ اُدھر ہوئے تب بھی کافر ہو جاؤ گے۔ پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کو بھی قائم رکھیں اور کمیونزم کے خطرہ کو بھی دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ چیزیں ایسی ہیں جن پر نئے زاویۂ نگاہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے لئے نئے افکار اور نئی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس غرض کے لئے اپنی کوششوں کو صرف نہیں کریں گے تو گو اسلام کی فتح پھر بھی یقینی ہے مگر ہماری شکست میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ بعض اَور لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو اُس کے دین کے لئے قربانیاں پیش کریں گے اور ہم اس کی مدد اور نصرت سے محروم ہو جائیں گے حالانکہ ایک مومن کے لئے جہاں یہ امر خوشی کا موجب ہوتا ہے کہ اُس کا خدا جیت جائے وہاں اگر وہ پاگل نہیں اور اگر اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی محبت پائی جاتی ہے تو وہ یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ میں بھی جیت جاؤں۔ پس یہ سوال نہیں کہ اسلام کو فتح حاصل ہوگی یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ میرے ہاتھ سے اسلام کو فتح ہو اور میرے ہاتھ سے کفر کی موت واقعہ ہو۔ اگر میرے ہاتھ سے کفر کے دیو شکست کھا جائیں اور اگر میرے ہاتھ سے اُس کے بُت ٹوٹ جائیں تو میرے لئے اِس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

آج میں نے خصوصیت سے اِس مقام پر یہ جلسہ اِس لئے رکھا ہے تا کہ میں طلباء کو بھی اور اساتذہ کو بھی ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاؤں۔ میں تمہیں ہوشیار کرتا ہوں کہ اِس وقت تک تمہارے بعض علماء نے اپنے پینترے نہیں بدلے، انہوں نے ابھی تک زمانہ حال کی ضروریات کے مطابق اپنے آپ کو نہیں ڈھالا، ان کی جدوجہد اس سے بہت کم ہے جتنی ہونی چاہئے، اُن کے افکار اُس سے بہت کم ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ تم زمانہ کی ضرورت کو سمجھو اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالو میں تمہیں مسیح ناصریؑ کے الفاظ میں کہتا ہوں کہ:

''فقیہہ اور فریسی جو کچھ کہتے ہیں وہ کرو مگر جو کچھ کرتے ہیں وہ مت کرو۔''[۲]

تم اپنے اساتذہ کی باتوں کو سنو اور جو کچھ وہ کہیں اُسی طرح کرو مگر تم ان کے عمل کی طرف مت دیکھو اُن میں وہ جدوجہد نہیں پائی جاتی جو ایک پاگل عاشق میں پائی جانی چاہئے، نہ وہ ان راہوں کو نکالتے ہیں جن راہوں کے نکالے بغیر کامیابی کا حصول مشکل ہے۔ پس اس لئے کہ وہ عالم ہیں اور تم اُن کے شاگرد بنائے گئے ہو تم اُن کی باتوں کو مانو مگر جیسے مسیح ناصری نے کہا تھا تُو کر جو فقیہی اور فریسی کہتا ہے مگر تُو مت کر جو فقیہی اور فریسی کرتا ہے۔ تم بھی وہ کچھ کرو جو تمہارے اساتذہ تمہیں پڑھائیں مگر تم ان کے اعمال کو اپنے لئے نمونہ مت سمجھو۔ اُن میں یہ احساس ہی نہیں کہ وہ دین کیلئے جدوجہد کریں وہ اُسی طرح کھاتے اور پیتے اور آرام سے سوتے ہیں جیسے ایک گاؤں کا بنیا کھاتا پیتا اور سوتا ہے حالانکہ ایک گاؤں کے بنیئے کی زندگی اور نیویارک یا لندن کے تاجر کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ صبح و شام انگاروں پر لَوٹ رہا ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ میرا کن سے مقابلہ ہے اور مجھے کس طرح ان سے فوقیت حاصل کرنی چاہئے۔

مجھے یاد ہے میں اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایک دفعہ لاہور گیا وہاں ایک بائیسکلوں کے تاجر مستری موسیٰ صاحب ہوا کرتے تھے جو اپنے کام میں بڑے ہوشیار تھے۔ وہ ایک دن دکان میں مجھ سے باتیں کر رہے تھے اور اوپر سے ڈاک والا آیا اور اس نے ایک تار ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُنہوں نے تار پڑھتے ہی فوراً بائیسکل لیا اور اس پر سوار ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ کہیں باہر نکل گئے۔ میں حیران ہوا کہ یہ تار کیسا آیا ہے کہ انہوں نے بات بھی پوری نہیں کی

اور بائیسکل لے کر غائب ہو گئے ہیں۔ آدھ گھنٹہ کے بعد وہ واپس آئے اور کہنے لگے۔ بڑا اچھا موقع تھا۔ بیس ہزار کا آج نفع ہو جانا تھا مگر افسوس کہ کام نہیں بنا۔ پھر انہوں نے سنایا کہ بمبئی سے ابھی ہمارے ایجنٹ نے تار دیا تھا کہ ٹائروں کا ریٹ اتنا بڑھ گیا ہے۔ میں فوراً بائیسکل پر چڑھ کر بھاگا کہ فلاں دکان پر جتنا مال ہوگا وہ سب کا سب خرید لوں گا اور میرا خیال تھا کہ وہاں ڈاکیہ اتنی دیر میں پہنچے گا کہ میں پہلے سودا کرلوں گا مگر ابھی میں اس سے سَودے کے متعلق گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ڈاکیہ آ گیا اور اُسے بھی تار مل گیا کہ ٹائروں کا ریٹ اتنا بڑھ گیا ہے اور ہمارا سَودا ہونے سے رہ گیا ورنہ آج بیس ہزار روپے کا نفع ہو جانا تھا۔ اب دیکھو کہ یہ کس قسم کے جنون کی حالت ہے اور کتنا جوش اور فکر ہے جو اُن لوگوں میں پایا جاتا ہے لیکن ایک گاؤں کے بنئے میں کچھ بھی جوش نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے گاؤں والا مجھ سے ہی سَودا خریدے گا۔ شہر میں بعض دفعہ ایک چیز آٹھ آنے پر فروخت ہو رہی ہوتی ہے اور وہ چار آنے پر دے رہا ہوتا ہے اور بعض دفعہ ایک چیز شہر میں دو آنے کو مل رہی ہوتی ہے اور وہ چار آنے کو دے رہا ہوتا ہے اور گاہک بھی اُس سے سَودا خریدتا ہے خواہ اُسے مہنگا ملے یا سستا۔ اسے کیا مصیبت پڑی ہے کہ دھیلے پیسے کی چیز کے لئے شہر کی طرف بھاگا پھرے۔ ہمارا عالم بھی اُسی رنگ میں چل رہا ہے جس رنگ میں چھوٹے گاؤں کا بنیا ہوتا ہے۔ اُسے احساس ہی نہیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے۔ اِس وقت مخالفت کے سمندر میں ایک جوش پیدا ہو رہا ہے، اس کی لہریں اُٹھنی شروع ہو گئی ہیں، اس کی موجوں میں تلاطم آ رہا ہے، اس کا پانی دیہات اور شہروں اور باغات کی طرف بڑھ رہا ہے مگر وہ آرام سے سوئے ہوئے ہیں۔ گویا اُن کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے انگریزی میں یہ ضرب المثل ہے کہ:۔

''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا''

مَیں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اپنے اندر تغیر پیدا کرو۔ اگر تم ان کے نقش قدم پر چلے تو سمجھ لو کہ تمہارے لئے موت ہے۔ ایمان کے لئے موت نہیں، دین کے لئے موت نہیں، سچے مخلصوں کے لئے موت نہیں مگر جو اِن کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں گے اُن کی یقیناً موت ہوگی۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں ہماری فتح یقینی ہے کیونکہ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے لیکن اس میں

بھی کوئی شبہ نہیں کہ علماء ہماری فوج ہیں اور جب فوج کے کسی حصّہ میں غفلت پیدا ہو جائے تو یہ حالت بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے بعض کی نہ دین کی طرف توجہ ہوتی ہے، نہ اُن میں خدا تعالیٰ کے عشق کی گرمی ہے، نہ قومی خدمت کا احساس ہے بس سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہیں کہ درسی کتب لڑکوں کو پڑھا دیں اور آرام سے سوئے رہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرے پاس رپورٹیں آتی رہتی ہیں کہ بعض دفعہ اُن سے سوالات کئے جاتے ہیں تو وہ اُن کے جواب نہیں دے سکتے۔ اگر واقعہ میں ان کے دلوں میں دین کا درد ہوتا تو وہ پارہ کی طرح اُچھل رہے ہوتے مگر کسی میں کوئی گرمی، کوئی حدت اور کوئی جوش مجھے نظر نہیں آتا۔

اِسی طرح جو باہر سے آنے والے مبلّغ ہیں اُن کو میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اپنے علاقوں کا بادشاہ تصور نہ کیا کریں۔ میں نے بے شک اپنے علماء کی تنقیص کی ہے لیکن جماعت زندہ ہے اور جماعتی روح جسے دوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں وہ بھی زندہ ہے۔

تمہیں یاد رکھنا چاہئے ایک مرکز ہے جس کے بنائے ہوئے قانونوں پر تمہیں پوری طرح عمل کرنا پڑے گا اور اگر کوئی شخص اِس کی خلاف ورزی کرے گا تو اُسے جماعت میں سے خارج کر دیا جائے گا۔ پس بیرونی مبلغین بھی اپنے پہلے طریق کو بدل لیں۔ یہ کہ محکمہ کی کمزوری کی وجہ سے تم اپنے علاقوں میں حاکم بنے رہو اِس کے یہ معنی نہیں کہ تمہیں جماعت سے نکالا نہیں جا سکتا۔ اگر تم دس ہزار میل پر بھی بیٹھے ہو اور تمہیں اپنے علاقوں میں لاکھوں لوگ عقیدت مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوں، تب بھی مرکز کی نافرمانی کرنے پر تم جماعت سے نکال دیئے جاؤ گے اِس وقت تک اس بارہ میں کوتاہی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ کام پر ایسے آدمی مقرر تھے جنہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں تھا مگر اب ہم مرکز کو ایسا مضبوط بنانے والے ہیں کہ مرکز کے ہر لفظ کی اطاعت ضروری ہوگی اور اگر کسی قسم کی کوتاہی ہوئی تو ایسے شخص کو سخت سزا دی جائے گی۔ پس وہ من مانی کارروائیاں جو بیرونی مبلّغین کر لیا کرتے تھے اب ان کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تمہارے جاہلیت کے تمام خون میں اپنے پاؤں کے نیچے مسلتا ہوں اب کسی شخص کے لئے ان کا بدلہ لینا جائز نہیں ہوگا۔[۳] اسی طرح میں اپنے پہلے طریق کو اپنے پاؤں کے نیچے مسلتا ہوں۔

(اِس موقع پر حضور نے اپنے پاؤں کو زمین پر رگڑا اور بڑے پُر جلال انداز میں فرمایا) اب تمہیں مرکز کی کامل طور پر لفظاً لفظاً، قدماً قدماً، شبراً شبراً اطاعت کرنی پڑے گی اور اگر اِس بارہ میں کسی قسم کی غفلت کی گئی تو میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایسے شخص کے خلاف جماعتی طور پر شدید ترین کارروائی کی جائے گی۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمبے عرصہ کے بعد پھر مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا ہے اور اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے ہماری تمام کوششیں وقف رہنی چاہئیں۔

تم مت خیال کرو کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو احمدیت کے رستہ میں روک بن سکتا ہے یا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جس کی وجہ سے احمدیت کو مدد مل رہی ہے۔ نہ احمدیت کے رستہ میں کوئی شخص روک بن سکتا ہے اور نہ حقیقی طور پر کسی کی مدد کے ذریعہ احمدیت ترقی کر رہی ہے۔ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فوت ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ بڑا بولنے والا انسان تھا اب یہ جماعت گئی۔ مگر جماعت آگے سے بھی بڑھ گئی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو مولویوں نے کہا اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر جماعت آگے سے بھی بڑھ گئی۔ پھر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اصل میں تمام کام نورالدین کا تھا وہی مرزا صاحب کو سکھایا کرتا تھا اب اس کی وفات پر یہ جماعت ختم ہو جائے گی لیکن حضرت خلیفہ اوّل فوت ہوئے اور جماعت نے پہلے سے بھی زیادہ ترقی کرنی شروع کر دی۔ پھر پیغامیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک پچیس سال کا لڑکا خلیفہ بن گیا ہے اب یہ جماعت کو تباہ کر دے گا۔ مگر آج ۳۶ سال گزر چکے ہیں اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ جماعت تباہ نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر چکی ہے۔ اس وقت جتنے ممالک میں ہمارے مبلغین موجود ہیں ان ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک بھی احمدی نہیں تھا اور کوئی بھی آپ کے نام کو نہیں جانتا تھا۔ نہ سوڈان والے آپ کو جانتے تھے، نہ انڈونیشیا والے آپ کو جانتے تھے، نہ جرمنی والے آپ کو جانتے تھے، نہ دوسرے ممالک میں کوئی احمدی موجود تھا ان تمام ممالک میں میرے زمانہ میں ہی احمدیت کا نام پہنچا ہے۔ پس جب تک خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ ہے کوئی فرد ہمارے راستہ میں روک نہیں بن سکتا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہ

ہم کتنی بھی عزت کریں ہمیں ماننا پڑے گا کہ جماعت کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں بنایا، ہمیں ماننا پڑے گا کہ جماعت کو خلیفہ اوّل نے نہیں بنایا، ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس جماعت کو خلیفہ ثانی نے بھی نہیں بنایا۔ اسی طرح کوئی شخص خواہ کتنی بھی پوزیشن رکھتا ہو اگر وہ احمدیت کے مقابلہ میں کھڑا ہوا تو وہ ایک مکھی کی طرح اِس سلسلہ میں سے نکال دیا جائے گا اور وہ کچھ بھی اس سلسلہ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور جب تک یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلتا چلا جائے گا اسے زیادہ سے زیادہ شان وشوکت حاصل ہوتی چلی جائے گی لیکن جس دن خدانخواستہ یہ سلسلہ اس راستہ سے ہٹ گیا (اور ابھی یہ بہت دور کی بات ہے) تو پھر تم اُٹھاؤ گے تو یہ نہیں اُٹھے گا اور تم روکوں کو دُور کرو گے تو وہ دور نہیں ہوں گی۔

پھر دفتر کی بدانتظامی کی وجہ سے جو مبلغین پہلے بیرونی ممالک سے آتے تھے وہ چھ چھ مہینے، سال سال، دو دو سال تک فارغ بیٹھے رہتے تھے اور ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ اب میں نے ہدایت دے دی ہے کہ مبلغین کو باقاعدہ رخصت دو اور پھر رخصت سے واپس آنے پر ریفریشر کورس انہیں دیا جائے اور جن کے لئے ضروری نہ ہو اُنہیں دفاتر میں کام پر لگایا جائے۔ اس طرح ان کی معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ان کے ذریعہ سلسلہ بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایسٹ افریقہ میں کام کرنے والے مبلّغ کو ویسٹ افریقہ کی ڈاک کے کام پر لگا دیا جائے یا ویسٹ افریقہ کے مبلّغ کو انڈونیشیا کی ڈاک کا کام سپرد کر دیا جائے اور وہ ان کی فائلیں وغیرہ دیکھتے رہیں اور مبلغین سے خط وکتابت کرتے رہیں تو تھوڑے عرصہ میں ہی وہ اُس ملک کے حالات سے باخبر ہو جائیں گے۔ اور پھر اگر اس مبلّغ کو اِسی ملک بھجوا دیا جائے تو وہاں وہ آسانی سے کام کر سکے گا۔ بہر حال وقت کو ضائع کرنا ناپسندیدہ امر ہے۔ اس سے دماغ کند ہو جاتا ہے اور انسان کی طاقتیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ میں نے اب حکم دے دیا ہے کہ اگر نظارت کسی مبلّغ کو فارغ رکھے گی اور اس سے کام نہیں لے گی تو اسے سزا دی جائیگی۔

اس کے بعد میں طالب علموں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں درسی کتب کے علاوہ مختلف علمی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے اور اس طرح اپنی معلومات کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہیئے۔ تمہارے اُستاد تمہیں یہاں قرآن کریم پڑھاتے ہیں مگر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا

چاہئے کہ غیر احمدی مولوی قرآن کریم سے کیا نتیجہ نکالتے ہیں، تمہارے استاد تمہیں یہاں بخاری پڑھاتے ہیں مگر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مخالف علماء بخاری کے کیا معنی کرتے ہیں اور پھر تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے اعتراضات کا حل سوچو۔ قرآن کریم بے شک خدا کی کتاب ہے مگر اُس نے اپنی صداقتیں اِس میں مخفی رکھی ہیں۔ اگر ہر صداقت کو اشاروں میں بیان کرنے کی بجائے تفصیلی طور پر بیان کیا جاتا تو اِس کیلئے لاکھوں لاکھ مجلدات کی ضرورت تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے ماتحت تمام صداقتیں اس میں بیان تو کر دی ہیں مگر اس طرح اشاروں میں بیان کی ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لئے بہت بڑے تدبر اور فکر کی ضرورت ہے اور تمہارا کام ہے کہ تم ان حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے اندر تدبر کا مادہ پیدا کرو۔ اسی طرح غور کرو کہ کمیونزم کا کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے، سوشلزم کیا چیز ہے اور اس کے کیا اثرات ہیں اور تمہیں اس کے متعلق ہر قسم کا لٹریچر پڑھنا چاہئے۔ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے تمام علوم کی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں۔ اسی طرح اگر تم بھی ان کتب کا مطالعہ کرو اور اپنے اساتذہ سے سوالات دریافت کرتے رہو تو تمہارے اُستادوں کو بھی پتہ لگ جائے گا کہ دنیا کیا کہتی ہے اور اس طرح تم اپنے استادوں کے بھی استاد بن جاؤ گے۔ میرے پاس کمیونزم کے متعلق ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، سوشلزم کے متعلق ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں، احمدیت کے مخالفین کا بھی لٹریچر موجود ہے اور میں نے یہ تمام کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔ میں نے بعض دفعہ ایک ایک رات میں چار چار سَو صفحہ کی کتاب ختم کی ہے اور اب تک بیس ہزار کے قریب کتابیں میں پڑھ چکا ہوں۔ دس ہزار کتاب تو قادیان میں ہی میری اپنی لائبریری میں تھی مگر مطالعہ کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ کتاب کا غیر ضروری حصہ انسان چھوڑتا چلا جائے۔ مثلاً کمیونزم کے متعلق جو کتاب ہوگی عموماً اُس کے تین حصے ہونگے۔ پہلا یہ کہ امریکہ اور انگلستان کا فرد اُس کے دفاع کیلئے کیا کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ کمیونزم کے اصل خیالات کیا ہیں۔ تیسرے کمیونزم کے متعلق دشمنوں کے کیا اعتراضات ہیں۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ مجھے اِس بات سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا کہ امریکہ اور انگلستان اس کا کس طرح دفاع کرتا ہے، اسی طرح لوگوں کے اعتراضات کی بھی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہوگی میں صرف یہ دیکھوں گا کہ کمیونزم کے اصل خیالات کیا ہیں اور اس

طرح پانچ سَو صفحہ کی کتاب میں سے بعض دفعہ پچاس ساٹھ صفحات ہی پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ بہرحال کتب کا مطالعہ تم اتنا وسیع کرو کہ ہر طالبعلم دو سال کے بعد جب یہاں سے نکلے تو وہ دو دو، تین تین سَو کتاب پڑھ چکا ہو اور اس کے دماغ میں اتنا تنوع ہو کہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھے اور کسی مسئلہ پر گفتگو شروع ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اُس کے سامنے کوئی نئی چیز پیش کی جارہی ہے بلکہ وہ یہ سمجھے کہ یہ تو وہی چیز ہے جو میں پڑھ چکا ہوں۔

میں اِس موقع پر اساتذہ کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری زنجیر کا سب سے کمزور خانہ اِس وقت وہی ہیں۔ اِنہیں اپنے اندر روحانیت پیدا کرنی چاہئے، اپنے اندر دینداری اور محبت باللہ کی روح پیدا کرنی چاہئے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو محض نوکر سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہمارا مقصد صرف لڑکوں کو پڑھانا ہوتا تو اِس غرض کے لئے غیر احمدیوں کو بھی رکھا جاسکتا تھا تمہارا کام صرف لڑکوں کو درسی کتب پڑھا دینا کافی نہیں بلکہ تمہیں اپنے اندر روحانیت پیدا کرنی چاہئے اور تمہیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اِس وقت اللہ تعالیٰ اسلام کو دنیا میں غالب کرنا چاہتا ہے اِس سکیم کے راستہ میں جو شخص بھی روڑا بن کر کھڑا ہوگا وہ مارا جائے گا اور اس کا ایمان ضائع چلا جائے۔ پس اپنے ایمان کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ آج بے شک تم اپنے ایمانوں کو مضبوط سمجھتے ہو لیکن اگر تمہارے اندر یہی بےحسی رہی تو کسی نہ کسی وقت تمہیں ٹھوکر لگ جائے گی کیونکہ جب تک انسان اپنے فرائض کو نہ سمجھے خدا تعالیٰ کی تلوار اُس کی گردن پر لٹکی ہوئی ہوتی ہے اور اُس کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔ بے شک ہم تمہیں اِس کام کے بدلہ میں کچھ گذارہ بھی دیتے ہیں مگر یہ گزارہ اصل چیز نہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ تمہیں یہ نظر آنا چاہئے کہ ہمیں جو کچھ دے رہا ہے خدا دے رہا ہے۔ ہاتھ بے شک بندوں کے ہیں لیکن اِن ہاتھوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کام کر رہی ہے۔ اور یہی وہ نقطۂ نگاہ ہے جو تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ روشن کرسکتا ہے۔

یوں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لوگ ہی دیتے تھے مگر وجہ کیا ہے کہ وہ ہر تائید کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً

فرما دیا تھا کہ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوحِي اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ [۴] مدد کرنے والے لوگ تیری مدد کریں گے اور تحائف پیش کرنے والے تیرے پاس تحفے لائیں گے مگر درحقیقت وہ نہیں دے رہے ہوں گے مگر ہم اُن کی گردنیں پکڑ کر تیرے پاس لا رہے ہوں گے اور وہ جو کچھ تجھے دیں گے ہمارے حکم کے ماتحت دیں گے۔ دنیا میں دینے والا احسان کرتا ہے اور لینے والا ممنون ہوتا ہے مگر یہاں دینے والا ممنون ہوتا ہے اور احسان کرتا ہے۔ یہ يَدُالْعُلْيَا خدا تعالیٰ کے مامور کا ہاتھ ہوتا ہے اور يَدُالسُّفْلٰى اُس شخص کا ہاتھ ہوتا ہے جو دے رہا ہوتا ہے اِسی طرح تمہیں بھی نظر آنا چاہئے جو کچھ تمہیں مل رہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہا ہے اور تمہارے اندر اتنی روحانیت ہونی چاہئے کہ تمہارا اُٹھنا بیٹھنا، تمہارا اوڑھنا اور تمہارا بچھونا، تمہارا سونا اور تمہارا جاگنا، تمہارا بولنا اور تمہارا خاموش رہنا سب کچھ خدا کے لئے ہو۔ پس تم اپنے آپ کو اس جماعت کا صحیح معنوں میں فرد بنانے کی کوشش کرو جس جماعت کا عالم کہلانے کا اُس نے تمہیں موقع عطا فرمایا ہے ورنہ اگر تمہاری دینی حالت کمزور رہے گی اور تمہارے اندر دین کی رغبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسلام کی اشاعت کی ایک آگ اور سوزش نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہی تمہارا انجام بخیر کرے تو کرے اِس کے سِوا تمہارے بچاؤ کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

میں آخر میں دوبارہ طالبعلموں سے کہتا ہوں کہ کرو جو کچھ تمہارے اساتذہ کہتے ہیں مگر مت کرو جو وہ کرتے ہیں کیونکہ اِن پر اِس قسم کی سستی اور لاپرواہی چھائی ہوئی ہے کہ اِسے دیکھ کر دل لرز جاتا ہے۔ تمہارے اندر ایک آگ ہونی چاہئے۔ تمہارے اندر ایک جلن اور سوزش ہونی چاہئے جو ہر وقت تمہیں بے تاب رکھے۔ تم آگ کے ساتھ ایک عظیم الشان جنگل کو جلا کر راکھ کر سکتے ہو مگر تم منہ کی پھونکوں کے ساتھ ایک پتہ کو بھی نہیں جلا سکتے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر ڈالو تو تمہیں اپنے دل میں ایک آگ پیدا کرنی چاہئے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا کے خس و خاشاک کو جلاؤ لیکن تمہارے دل میں آگ نہیں، تمہارے منہ سے شعلے نہیں نکلتے بلکہ تمہارے منہ سے گرم بھاپ بھی نہیں نکلتی تو تمہاری زندگی عبث ہے اور تم اپنا وقت رائیگاں کھو رہے ہو۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب پر رحم کرے، ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اسلام کی صحیح خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین

(الفضل ۹، ۱۶، ۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء)

---

۱ متی باب ۵ آیت ۱۷ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۲ متی باب ۲۳ آیت ۲: ۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)

۳ البدایة والنھایة جلد ۵ صفحہ ۲۰۱۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۶ء

۴ تذکرہ صفحہ ۵۰۔ ایڈیشن چہارم